قرآن میں دعوت و تبلیغ

تقاضے اور طریقۂ کار

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

پوری دنیائے انسانیت کے لیے اسلام خدائے ذوالجلال کی عطا فرمودہ وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جس کی امانت کا بار شیدایان اسلام کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔ چونکہ کلمہ حق کے انقلابی بولوں کا دل و زبان سے اقرار و اعتراف کرنے والے' خیر امت' امت وسط اور شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کے الٰہی القاب کے مستحق اسی وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں' اس لیے عظیم ترین معروف "اسلام" کی نشرواشاعت اور عالم انسانیت تک اس امانت کی تبلیغ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کے لیے فرض منصبی قرار پاتی ہے۔ علم برداران اسلام کو اللہ کی کتاب پوری انسانی برادری میں اولیت و افضلیت کا مقام دیتی ہے اور ان کی ذمہ داریوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انتہائی جامع الفاظ میں واضح کرتی ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۳:۱۱۰) "اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری مخصوص لباس زیب تن کرنے والے سفید ریشوں' اساتذہ اور علما و فضلا پر ہی نہیں ہے بلکہ ان تمام بندگان خدا پر ہے جو کلمہ طیبہ کے سچے اقرار کے بعد علم برداران اسلام کی صفوں میں آ ملتے ہیں۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور رحمٰن و رحیم ہے' اس لیے اس کی حکمت و رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے کسی بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالے۔ چنانچہ جو جس حیثیت کا مالک ہے اور جس کے اندر جتنی اہلیت و استعداد ہے اسی کے مطابق اس سے فریضہ حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہوتا ہے: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۲:۲۸۶) "اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے' اس کا پھل

اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹتی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے"۔

اسلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم ترین امانت ہے۔ یہ امانت اسلام کے مکمل نظام زندگی کی شکل میں تمام خطہ ہائے عالم کے برادران اسلام تک پہنچائی جائے گی، اس لیے کہ کلمہ حق کے علم برداروں میں ایک بڑی اکثریت فکری اور عملی گمراہیوں میں ملوث ہونے والوں کی ہے۔ چنانچہ رفاہی اور اصلاحی کوششیں یہاں بھی ناگزیر ہو جاتی ہیں لہٰذا اسوۂ رسولؐ، سیرت صحابہؓ اور دوسرے صلحائے دین کی سیرتوں کی روشنی میں ان کی تربیت ہونی چاہیے تاکہ ذہنی، فکری اور عملی لحاظ سے وہ کماحقہ اپنے مذہب کی نمائندگی کر سکیں۔ لیکن ان کے بالمقابل وہ بندگان خدا جو اسلام سے وابستہ نہیں ہیں یا جو دین کی قدر و قیمت سے آشنا نہیں ہیں، دعوت و تبلیغ کے اصل محور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ کی امانت کا دائرہ امت کی اصلاح کے پہلو سے دفاعی کوششوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار پوری انسانی برادری پر محیط ہے۔ چنانچہ کفر و شرک میں گرفتار بندگان خدا کو جب تک دعوت نہیں پیش کی جاتی، اس وقت تک دعوت حق کے فریضے کی ادائیگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تب ہی وہ امانت ادا ہو گی جس کے بارے میں روز محشر ہم سے پوچھا جائے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (النساء ۴:۵۸)، "مسلمانو، اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو"۔

مرد مومن یہ سمجھتا ہے کہ معبود حقیقی کا انکار یا اس کی ذات و صفات میں معبودان باطل کی شرکت عظیم ظلم ہے (لقمان ۳۱:۱۳)، اور یہی وہ مذموم عمل ہے جس کے سرزد ہونے کے بعد انسان اشرف المخلوقات کی بلندیوں سے ارذل المخلوقات کی پستیوں میں جا گرتا ہے۔ بندۂ مومن کے دل و دماغ پر یہ بات چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ غیراللہ کو خدا کی خدائی کا شریک بنانا، ضروریات و حوادث میں توقعات وابستہ کرنا اور انسانوں کو معبودانِ باطل کی پرستش کی دعوت دینا، عظیم ترین گمراہی ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (الاحقاف ۴۶:۵)، "آخر اس شخص سے زیادہ بھٹکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے"۔ اس کے برعکس داعی حق، ضلالت و گمراہی سے نکال کر انسانیت کو ہدایت کی شاہراہ دکھاتا ہے، تمام باطل خداؤں کا قلادہ اتار پھینک کر معبود حقیقی کے آستانے پر جھکنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس ضمن میں گھر، ماحول اور معاشرے کے اعتراضات و اختلافات، دھمکیوں اور سازشوں کا نشانہ بھی بنتا ہے اور ان تمام حالات و کوائف کا مقابلہ کرتے ہوئے فریضہ حق کی ادائیگی کو اپنا شیوۂ حیات قرار دے لیتا ہے اور یہ اس لیے کہ معبود حقیقی کی طرف سے دی گئی بشارت اس کے ذہن و دماغ میں ہر وقت مستحضر رہتی ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حم السجدہ ۴۱:۳۳)، "اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں"۔

داعی حق کی عظمت پر وہ فرمودات الٰہی بھی ناطق شہادت ہیں جن میں کفر پر ثبات و اصرار اور صراط مستقیم سے روکنے کو وطیرۂ حیات بنانے والوں کے لیے مغفرت الٰہی جیسی عظیم نعمت سے محرومی کا اعلان فرما دیا گیا (محمد ۴۷:۳۴) اور اس کے برعکس ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اور خیر و سلامتی کی طرف دعوت دینے والوں کے عمل کو مسعود و مبارک قرار دیا گیا۔ دشوار گزار مراحل میں حوصلہ افزائی، دونوں جہاں کی سربلندی، معیت الٰہی اور روز جزا میں اعمال کی قدر افزائی جیسی نعمتوں کی یقین دہانی کرائی گئی۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ (حم السجدہ ۴۱:۳۱)، "ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمھیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمھاری ہو گی"۔

دعوت کا کام انتہائی اعلیٰ و ارفع کام ہے کیونکہ اس کام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین دولت، اسلام کو بطور امانت بندگان خدا تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس عظیم ترین خدائی نوازش کو جبر و اِکراہ کے ساتھ کسی کے سر تھوپنا، دعوت حق اور داعی دونوں کی تذلیل و تحقیر ہے۔ داعی اور دعوت کے مقام کا صحیح اندازہ ان فرمودات الٰہی سے بھی کیا جا سکتا ہے جن میں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے طمانیت و تسکین کا پیغام دیا گیا ہے۔ مکہ کے پر آشوب اور پرفتن حالات میں نبی کریمؐ یکہ و تنہا کھڑے ہوتے ہیں اور ایک خدا کی خدائی کا علم لے کر اعبدواللہ کی دعوت دیتے ہیں۔ داعی اعظمؐ کے سلسلے میں مشرکین کا گھناؤنا کردار، کفر و شرک پر اصرار اور دعوت کو زک پہنچانے کی تمام تر سازشیں بھی واضح ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلعم کو خدا کے گمراہ بندوں سے متعلق ہلاکت کی حد تک فکر و تشویش لاحق رہتی ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء ۲۶:۳)، "اے نبیؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے" اور ایک جگہ انتہائی شفقت و محبت کے انداز میں آپؐ کی حیثیت سے آپؐ کو باخبر کیا جاتا ہے، اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص ۲۸:۵۶)، "اے نبیؐ، تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے"۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی داعیانہ حیثیت اور اصل ذمہ داری سے متعلق فرماتے ہیں، فَذَکِّرْ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ (الغاشیہ ۸۸:۲۱-۲۲)، اچھا تو (اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو"۔[۱]

داعی کی ذمہ داری تبلیغ و تذکیر ہے۔ اگر داعی سمجھتا ہے کہ اس نے کماحقہ دعوت پیش کر دی ہے اور اس کے تمام نکات اپنی استعداد کے مطابق مدعو پر بے نقاب کر دیے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب مدعو کے اصرار اور حق سے انحراف کا معاملہ داعی سے متعلق نہیں رہا، اس کا خمیازہ اسے خود بھگتنا پڑے گا اور داعی کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر بھی تخفیف نہ ہو گی۔ بلاشبہ مخلص اور

اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے والے داعی کی یہ آرزو بھی ہوتی ہے کہ وہ شاہراہ ہدایت پر چل پڑے لیکن ہدایت اور گمراہی کے معاملات پر اللہ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ تمام بندگان خدا کو ہدایت یاب کر دیتا لیکن لِيَبْلُوَكُمْ کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمایئے' وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ (الانعام ۶:۱۰۷)' "اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو"۔

چونکہ نبی کریمؐ کی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ دین حق کو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ و برتری حاصل ہو جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف ۶۱:۹)' "وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔ رحمت عالمؐ کے آقائے حقیقی سے جا ملنے کے بعد بعثت عام کے اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپؐ کی امت کے ہر ہر فرد کا فرض منصبی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو اللہ کے دین کی امانت پہنچائے اور دین الٰہی کو زندگی کے ہر گوشے میں اور دنیا کے ہر خطے میں اپنی استعداد کے مطابق جاری و ساری کرنے کی جدوجہد کرے۔ خواہ اس مقدس مشن کی راہ میں اسے اپنی جان عزیز کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔ اعلائے کلمۃ الحق کی مبارک کوشش ہی امت مسلمہ کی شان امتیاز ہے' جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کی مستحق قرار پاتی ہے۔ دعوت دین کی ضرورت' افادیت اور اس کی عظمت سے متعلق مولانا امین احسن اصلاحی کی وضاحت میں وزن ہے:

"یہی فریضہ رسالت ہے جس کی وجہ سے اس امت کو "خیر امت" کہا گیا۔ اگر مسلمان اس فرض منصبی کو بھلا دیں تو یہ دنیا کی قوموں میں سے بس ایک قوم ہیں' نہ ان کے اندر کوئی خاص خوبی ہے' نہ کوئی خاص وجہ فضیلت اور نہ پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا ذلت کے ساتھ' بلکہ اس فرض کو فراموش کر دینے کے بعد وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک معتوب قوم بن جائیں گے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں خدا کی طرف سے کسی منصب پر سرفراز کی گئیں تھیں' اپنا فرض انجام نہ دینے کی وجہ سے معتوب ہو گئیں" (دعوت دین اور اس کا طریقہ کار' ص ۴۱' ۴۲)

دعوت کا کام کوئی پیشہ ورانہ کام نہیں ہے کہ داعی' شخصی' نسلی اور گروہی مفادات کے پیش نظر حق و ناحق' جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں سمجھوتہ یا مصالحت کی پالیسی اختیار کرے یا کسی دنیوی حرص و طمع کے دام میں پھنس کر دعوت و تبلیغ کی راہ میں سرگرم عمل ہو۔ خودستائی کا جذبہ' حصول شہرت کا شوق' دوسروں

کو بنظر استحقار دیکھنا' اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع تصور کرنا اور جاہ و منصب کی تلاش و جستجو' یہ سب وہ مظاہر ہیں' جن سے دعوت مجروح ہوتی ہے اور کاروبار کا رنگ روپ دھار لیتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں سب سے قیمتی اثاثہ اخلاص و للّٰہیت ہے۔ دائرہ اسلام میں شمولیت کے وقت ایک بندۂ خدا کی زبان سے نکلے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کے مقدس بول سے ہی اخلاص و للّٰہیت کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے۔ اللہ واحد کو ہی معبود حقیقی تسلیم کرتے ہوئے ایک شخص دل و زبان سے اعلان کرتا ہے کہ اس کا سر کسی غیراللہ کے آگے نہیں جھکے گا' وہ غیراللہ خواہ ذاتی غرض کی شکل میں ہو یا قومی مفاد کی شکل میں یا پھر دنیوی جاہ و منصب کی لالچ کی شکل میں۔ اس کا دل وحدت الٰہی کا نشیمن بن جاتا ہے اور وہ اپنی چال ڈھال اور کردار و عمل سے صرف اللہ واحد کے پرستار ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اخلاص کا یہ سرمایہ داعی کو تمام قسم کے ذاتی اور گروہی مفادات کو بنظر حقارت دیکھنے پر ہی نہیں بلکہ نفس کی ذلت و محرومی اور حقوق کی پامالی برداشت کرنے کا حوصلہ افزا پیغام بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی کتاب داعی حق سے جگہ جگہ مطالبہ کرتی ہے کہ اخلاص و للّٰہیت کے زیور سے آراستہ ہو کر اطاعت الٰہی میں سرگرم عمل رہو۔

عبادات میں اخلاص و للّٰہیت کے اس عظیم وصف سے آراستگی کا مطالبہ اقوام دیرینہ سے بھی تھا اور مشرکین عرب سے بھی۔ ہادی اعظمؐ اور ان کے رفقا کی زندگیاں اسی وصف سے مزین تھیں۔ اللہ عزوجل کی کتاب اس جہت سے آج بھی پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ عبادت و اطاعت کا علم اٹھانے والوں سے آج بھی مطالبہ ہو تا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (البینتہ ۹۸:۵)' "اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے' بالکل یک سو ہو کر"۔ چنانچہ قربانی جیسا مقدس عمل بھی جو خلیلؑ اللہ کی یاد میں انجام دیا جاتا ہے' بے قیمت ہو کر اللہ کے دربار میں شرف قبولیت سے محروم رہتا ہے' جب تک دولت و ثروت کے اشتہار' اعزہ واقارب اور معاشرے میں شہرت اور دوسرے حقیر مقاصد سے پرے ہو کر صرف اور صرف مالک حقیقی کی خوشنودی کو مطمح نظر نہ مانا جائے۔ اللہ رب العزت کی کتاب میں اس صداقت کا اعلان ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۲۲:۳۷)' "نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون' مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

اخلاص و للّٰہیت کے بعد فریضہ حق کی انجام دہی کے لیے جو اہم ترین اور ناگزیر ضرورت ہے' وہ ہے تعلق باللہ کی مضبوطی اور استحکام۔ دین حنیف کو تمام ادیانِ باطلہ اور افکار فاسدہ پر غلبہ و برتری دلانے کا مشن انتہائی اہم بھی ہے اور مشکل بھی۔ اس کی تکمیل کی خاطر داعی حق کو آقائے حقیقی کی طرف رجوع کرنا ہو گا' جو منبعِ تائید و نصرت اور سرچشمۂ رحمت و رافت ہے تاکہ کارزار حیات میں اس کی خطاؤں اور لغزشوں پر اللہ

تعالیٰ خط عفو پھیر دے اور دعوت کی مبارک جدوجہد کو لیلائے کامرانی کے آغوش سے ہمکنار کر دے۔

تعلق باللہ کی پہلی منزل یہ ہے کہ داعی کو اس بات پر پختہ یقین ہو کہ نافع اور ضار حقیقی معنوں میں صرف اللہ کی ذات ہے، کامیابی و ناکامی سب پر اسی کا اختیار ہے۔ اس استحضار کے ساتھ وہ اگر دعوت کی پرخار وادی میں قدم رکھتا ہے تو وہ یقین کامل کے سرمائے کی بدولت انتہائی ناخوشگوار احوال و کوائف میں بھی یاس و قنوطیت کا شکار نہیں ہوتا اور مفادات کے حصول میں تملق و چاپلوسی کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ اس تعلق باللہ کی آخری اور اہم منزل یہ ہے کہ داعی ہر شعبہ زندگی میں اور اپنی تمام تر مصروفیات و مشغولیات میں ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوتا۔ اور وہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۶:۱۶۲) کے الٰہی فرمان کا ترجمان بن جاتا ہے۔

تعلق باللہ کے لوازم میں نوافل کا اہتمام ایک لابدی امر ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے قربت و تعلق کی بات کھوکھلی اور بے وزن ثابت ہوتی ہے۔ ان نوافل میں بھی تہجد کو منفرد مقام حاصل ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقام پر عباد الرحمٰن کی جو نمایاں خصوصیات وارد ہوئی ہیں ان میں ایک اہم خصوصیت یہی ہے کہ وہ راتوں کو نرم گرم بستر کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑتے ہیں، اس سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں، اپنی غلطیوں پر نادم و پشیماں ہوتے ہیں، کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں اور دعوت حق کے اس کار عظیم میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حصول کے لیے گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۔(الفرقان ۲۵:۶۴)، اللہ کے مخلص بندے وہ ہیں: "جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں"۔ ایسے ہی صالح اور مخلص بندوں کو ایک جگہ اللہ کی کتاب یوں سراہتی ہے۔ یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ (آل عمران ۳:۱۱۳)، "راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں"۔ کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ ۔ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الذاریات ۵۱: ۱۷-۱۸)، "راتوں کو کم ہی سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے"۔

دعوت حق کی گراں بار ذمہ داری کی انجام دہی کے مرحلے میں ایک داعی کو قدیم و جدید جاہلیت کے تمام تلخ اثرات و نتائج سے سابقہ پڑتا ہے لیکن اسے چونکہ دعوت حق کی قندیل شب تاریک کی گھنگور گھٹاؤں میں بھی روشن کرنا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ داعی جس خدا کی دی ہوئی امانت کا بار اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا ہے، تمام نرم و گرم، شیریں و تلخ اور خشک و تر مسائل زندگی میں اسی مسبب الاسباب سرچشمہ قوت سے وابستہ ہو جائے جس نے اس کی فلاح و کامرانی کا نوشتہ تقدیر تیار کر رکھا ہے۔ دین اسلام کے نعمت بیش بہا اور اس کے عظیم امانت ہونے کا استحضار، خدا کی عطا فرمودہ دینی و دنیوی برکتوں کا احساس، عظیم ذمہ داری کا بوجھ اور اپنی کوتاہیوں پر ندامت و شرمندگی اگر داعی کی، آہ سحرگاہی کے موضوعات و

مشتملات بن جاتے ہیں تو اس کے یہ اشک ندامت بارگاہ ایزدی میں قیمتی موتی قرار پاتے ہیں۔

داعی جن امور و معاملات میں مدعو کو اپنا مخاطب بناتا ہے' وہ عموماً مدعو کے حالات' مزاج اور دلچسپیوں سے متضاد و متناقض ہوتے ہیں' اس لیے مخاطب معاشرے کی طرف سے اعتراضات و اختلاف بالکل متوقع ہوتے ہیں' ہاں اختلافات و اعتراضات کی نوعیتوں میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعو اور معاشرے کے دوسرے مخاطبین کے سامنے داعی کی بے لوثی اگر واضح ہے تو اس کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ داعی کی دعوت انھیں اپنا حلیف بنا لے۔ اخلاص کا جوہر اگر داعی کے قلب و ضمیر کی زینت بنا ہو تو اس کا زبان حال اور زبان قال دونوں ہی علی الاعلان گویا ہوتے ہیں: وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء ۲۶:۱۰۹)' "میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے" اور اخلاص کو مجروح کرنے والے کسی خیال' ترغیب' لالچ اور اکساہٹ پر اللہ رب العزت کی پناہ کا طلبگار ہوتا ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (الاعراف ۷:۲۰۰)' "اگر کبھی شیطان تمھیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو"۔

داعیِ حق چونکہ کلمہ طیبہ کے انقلابی بولوں کی روح سے واقف ہوتا ہے' کسی معاملۂ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی امانت کا سودا نہیں کرتا اور باطل کے آگے کبھی بھی سپرانداز ہونے کو دعوت اور داعی دونوں کی تذلیل سمجھتا ہے۔ اس لیے خواہشات نفس کے بندوں' آباو اجداد کے دین کا بھرم رکھنے والوں اور کرسی و اقتدار کے متوالوں کو داعی کی ادا پسند نہیں آتی اور مختلف زاویوں سے سرد و گرم جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔ حق کی موجودگی میں باطل کا سامنے آنا' یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ آدم علیہ السلام کے مقابلے میں ابلیس لعین' حضرت ابراہیمؑ کے مقابلے میں نمرود' حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون اور مرشد اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ابولہب' ابوجہل اور عتبہ و ولید' یہ وہ تاریخی کردار ہیں جنھوں نے حق کے نام لیوا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے چیدہ چیدہ بندوں کی راہ میں مصائب و مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیے۔ لیکن اللہ کے یہ معزز بندے صبر و استقلال کے دیو بن کر منزل مقصود کے حصول میں دیوانہ وار بڑھتے رہے اور دعوت و تبلیغ کے مقدس مشن پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ بالآخر اللہ کی معیت انھیں نصیب ہوئی اور وہ دونوں جہاں میں فائز المرام ہوئے۔

دعوت کے ابتدائی مراحل میں جہاں گنے چنے چند نفوس قدسیہ داعی حق کا استقبال کرتے ہیں وہاں ایک کثیر تعداد نفس کے ان بندوں کی ہوتی ہے جن کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔ پھر وہ کش مکش و مخاصمت میں صف آرا ہو کر منحوس ترین اقدامات کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسے حوصلہ شکن مراحل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے کہ باوجودیکہ دعوت کماحقہ شرح و بسط کے ساتھ پیش کر دی جاتی ہے لیکن مخاطبین پر

اس کے مثبت اثرات و نتائج مشاہدے میں نہیں آتے بلکہ وہ دعوت سننے سے بھی گریزاں ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ داعی کے لیے بلاریب صبر آزما ہوتا ہے۔ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۔ وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف ۷:۱۹۸)، "اور اگر تم انھیں سیدھی راہ پر آنے کے لیے کہو تو وہ تمھاری بات سن بھی نہیں سکتے۔ بظاہر تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر فی الواقع وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے"۔

داعیان حق کی راہ میں اس قسم کے شدائد و محن کا وقوع اللہ رب العزت کی سنت ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (فاطر ۳۵:۴۳)، "تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے"۔ ایسی صبر آزما گھڑیوں میں صبر کا مطالبہ ہوتا ہے۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (الاحقاف ۴۶:۳۵)، "پس اے نبیؐ، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے، اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو"۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ (الروم ۳۰:۶۰)، "پس (اے نبیؐ) صبر کرو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے"۔

داعی سے ایک اور مطالبہ ہوتا ہے ہٹ دھرموں سے اعراض کا، مخاطبین و مدعویین میں بعض تو وہ صالح بندگانِ خدا ہوتے ہیں جو حقائق سے آگہی کے بعد دعوت اور داعی کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ان کے اعمال و کردار صبغۃ اللہ میں رنگ جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو پس و پیش و تذبذب کے شکار ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے مثبت یا منفی کوئی فوری ردعمل نہیں ظاہر ہوتا۔ داعی کو یہاں اپنی صلاحیتوں کے مطابق موثر اور دلنشیں انداز میں دعوت پیش کرنی چاہیے یہاں تک کہ ان پر سے شک و ریب کی کیفیت ختم ہو جائے اور حقائق کے دریچے پوری طرح سے اس کے سامنے کھل جائیں۔ تیسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو دعوت حق کی عظمت کو جانتے ہیں اور صداقت ان کے سامنے عیاں ہوتی ہے لیکن آبا و اجداد کے شرف و عظمت کا خیال، ذاتی یا گروہی مفادات کی کشش اور نسلی اور قومی تعصبات کا حصار، ان کی قبولیت حق میں سدراہ بنتے ہیں۔ چونکہ ضد، عناد اور ہٹ دھرمی ان کا شعار بن جاتا ہے اس لیے داعی کے نصائح و مواعظ کا ان پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑتا۔ مدعو کا قلب و ضمیر زمین شور ثابت ہوتا ہے جہاں موسلادھار بارش بھی بے سود ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس زرخیز زمین میں بارش کے چند قطرے بھی زندگی کی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔ دعوتِ حق بارانِ رحمت ہے۔ بلاشبہ اگر یہ بنجر قلب و ضمیر پر برسائی جائے تو اس عطا و بخشش کی تذلیل و تحقیر ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کو جو حقائق کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے ہیں اور ضد و ہٹ دھرمی کی روش پر گامزن ہوں، جاہلین سے تعبیر کیا ہے اور یہ نسخہ تجویز کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے سابقہ

پڑ جائے تو ان سے انتہائی شائستگی کے ساتھ اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے اور اپنی صلاحیتیں وہاں صرف کی جائیں جہاں سے خوشگوار نتائج بر آمد ہونے کی توقع ہو۔ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان ۲۵:۶۳) "اور جب جاہلوں سے ان کا واسطہ پڑتا ہے تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں"۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف ۷:۱۹۹) "اے نبیؐ، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو"۔

قرآن پاک میں انبیا کی دعوتوں میں ایسے اعراض کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ عیسیٰ ابن مریمؑ کے داعیانہ کردار کو پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے واضح نشانیوں کے باوجود عناد و ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کیا تو انھوں نے اپنی دعوت کا مخاطب ان لوگوں کو بنایا جو انتہائی پسماندہ تھے اور ان سے انصار اللہ بننے کا مطالبہ کیا۔ ان کے دلوں پر دعوت حق نے فتح و تسخیر کی کمندیں ڈال دیں، توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہوئی اور انھوں نے ایمان و ایقان کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہوئے نحن انصار اللہ کی مقدس صدائیں بلند کیں۔ قرآن بالاختصار بنی اسرائیلیوں کے انحراف و انکار اور حواریوں کے قبول حق کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (المائدہ ۵:۱۱۰-۱۱۱) "پھر جب تو (حضرت عیسیٰؑ) بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں سے منکر حق تھے انھوں نے کہا کہ یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں تو میں نے ہی تجھے ان سے بچایا، اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تب انھوں نے کہا کہ "ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں"۔ دعوتی زندگی کی یہ سرگزشت بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے اور داعیان حق کو اس سرگزشت کی روشنی میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ قوم کے معزز لوگ اگر دعوت حق سے انحراف و سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو بظاہر یہ حوصلہ شکن اقدام ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت اعراض و انکار اور ضد و ہٹ دھرمی کے منحوس نتائج مدعو سے متعلق ہوتے ہیں، داعی کو قنوطیت و مایوسی کا لبادہ اتار پھینکتے ہوئے بڑے عزم و حوصلے کے ساتھ اس گروہ یا جماعت کے افراد کو اپنا مخاطب بنانا چاہیے جو حق و صداقت کے جویا ہیں، چاہے یہ طبقۂ افراد سیاسی، معاشی اور سماجی لحاظ سے خستہ حالی کا ہی کیوں نہ شکار ہو۔ دعوت حق کے اس طریقہ کار اور اس کے مثبت اثرات و نتائج کو حضرت عیسیٰؑ سے متعلق کرتے ہو اللہ کی کتاب فرماتی ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۔ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ (الصف ۶۱:۱۴) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا: "کون ہے اللہ کی طرف

(بلانے) میں میرا مددگار؟" اور حواریوں نے جواب دیا تھا: "ہم ہیں اللہ کے مددگار"۔ اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے"۔

مکہ کے پر آشوب اور پُرفتن احوال و کوائف میں نبی اکرمؐ دعوت حق کا عَلَم بلند کرتے ہیں۔ آغاز دعوت میں جہاں کچھ سعید روحیں آپؐ کی دعوت کا استقبال کرتی ہیں وہاں بہت بڑی اکثریت دولت و ثروت، عزت و عظمت اور حکومت و اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر دعوت کی بیخ کنی کرنے اور داعی اعظمؐ کا کام تمام کر دینے کی ناپاک کوشش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ لیکن آپؐ کے اس مقدس مشن کی سرگرمی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی بلکہ ان لوگوں کے شاہراہ ہدایت پر آنے کی فکر ان کو ہلاک کیے جاتی ہے۔ کسی بھی سماج کے صاحب مرتبت افراد اور کسی بھی قوم کے معززین کو نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے۔ معاشرے کے ان روسا کا معاشرے پر ایک رعب ہوتا ہے۔ معاشی لحاظ سے خوشحالی و فارغ البالی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی امور و معاملات میں بھی عزت و برتری حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ دعوت دین کے فروغ و اشاعت سے متعلق مصالح کے پیش نظر آپؐ معززین قوم کو اپنی دعوت کا محور خاص سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وقت، محنت اور ذہانت کا قیمتی اثاثہ ان حضرات معززین بالخصوص زعمائے قریش کے شکوک و شبہات اور اختلافات و اعتراضات رفع کرنے میں صرف کرتے ہیں لیکن وہ اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور انانیت کی بنا پر دعوت حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور آبا و اجداد کی روش کو ہی سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ آپؐ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور ان سے اعراض کی تلقین فرماتے ہیں، فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (السجدہ ۳۲:۳۰)، "اچھا انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو، یہ بھی منتظر ہیں"۔

اللہ کی کتاب اس پر سند ہے کہ ایک موقع کو غنیمت جان کر آپؐ روسائے قریش کو خطاب فرما رہے تھے۔ ابھی دوران نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ کچھ معاملات و مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے صحابی مذکور کی بجائے اس دوران مجمع قریش پر ہی توجہ رکھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپؐ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ چنانچہ پیار و محبت بھرے انداز میں نصیحت فرمائی کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنانے والوں کے بالمقابل جویائے حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور اس کے مسائل کی گتھیاں سلجھائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو متنبہ فرماتے ہیں: عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ (عبس ۸۰:۱-۳)، "ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے"۔ (جاری)